میں شریک ہوں۔ بیان اور واقعے میں یہ فاصلہ رکھ دینے کی بنا پر بات میں جو شدّت اور تلخی ہے وہ اپنی حد کے اندر رہتی ہے اور ناگوار نہیں معلوم ہوتی۔

مشق اور مطالعہ

(1) خط نمبر ایک کی بنیاد پر غالب کی زندگی کے حالات اپنی عبارت کے دس جملوں میں لکھیے۔

(2) رام پور کی تعریف میں غالب نے کیا کہا ہے؟ اور اس سلسلے میں اپنی تعریف کس طرح کی ہے؟

سرسیّد احمد خاں

(1817-1898)

سیّد احمد خاں دلّی کے ایک معزّز گھرانے میں پیدا ہوئے۔ سیّد احمد نے اپنے زمانے کے اہلِ کمال سے فیض حاصل کیا۔ 1839 کے آس پاس انھوں نے انگریزوں کی ملازمت اختیار کی۔

1862 میں جب وہ غازی پور میں تھے، انھوں نے ایک انجمن "سائنٹفک سوسائٹی" کے نام سے بنائی۔ اس انجمن کا مقصد یہ تھا کہ جدید علوم اور خاص کر سائنس کے علوم کا مطالعہ کیا جائے اور ان علوم کو ہندوستانیوں میں عام کیا جائے۔ 1869 میں سیّد احمد خاں ایک سال کے لیے انگلستان گئے۔ واپس آکر انھوں نے انگریزی کے عمدہ رسالوں کی طرز پر اپنا رسالہ "تہذیب الاخلاق" نکالنا شروع کیا۔

اس طرح "تہذیبُ الاخلاق" کے ذریعے اردو میں ایک نئی طرح کی علمی نشر کا رواج شروع ہوا۔ انگلستان سے واپس آکر سیّد احمد خاں نے علی گڑھ میں ایک اسکول بھی کھولا۔ یہ اسکول 1878 میں "محمڈن اینگلو اورینٹل کالج" بنا، اور پھر یونی ورسٹی کی شکل میں ہندوستان کا ایک نمایاں علمی ادارہ بن گیا۔

1878 میں سیّد احمد خاں کو "سر" کا خطاب ملا۔ یہ خطاب ان کے نام کا

حصّہ ہی بن گیا اور آج تک سب لوگ انھیں "سرسیّد" کے نام سے جانتے ہیں۔ سرسیّد آخر عمر تک قومی کام، کالج کی دیکھ بھال اور تصنیف و تالیف میں لگے رہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ سرسیّد جیسی شخصیتیں صدیوں میں پیدا ہوتی ہیں۔ سرسیّد نہ ہوتے تو آج ہندوستانی مسلمان، بلکہ ہندوستانی سماج وہ نہ ہوتا جو ہم آپ دیکھ رہے ہیں۔

اردو کی نئی علمی نثر کی بنیاد ڈالنے کے ساتھ ساتھ سرسیّد نے اردو میں مختصر مضمون نگاری کو فروغ دیا۔ لمبی لمبی تحریروں کے بجائے چند صفحات میں کام کی بات کہنے کا فن سرسیّد نے عام کیا۔ ان سے کچھ پہلے ماسٹر رام چندر نے اردو میں علمی نثر کے نمونے پیش کیے تھے۔ ان کی تحریریں شگفتہ اور رواں ہیں، لیکن ان میں فکر اور نظر کی وسعت نہیں۔ سرسیّد اپنے زمانے کے مفکّر اور مصلح تھے، اور ان کی نثر میں وہی وزن اور وقار ہے جو ان کی شخصیت میں تھا۔

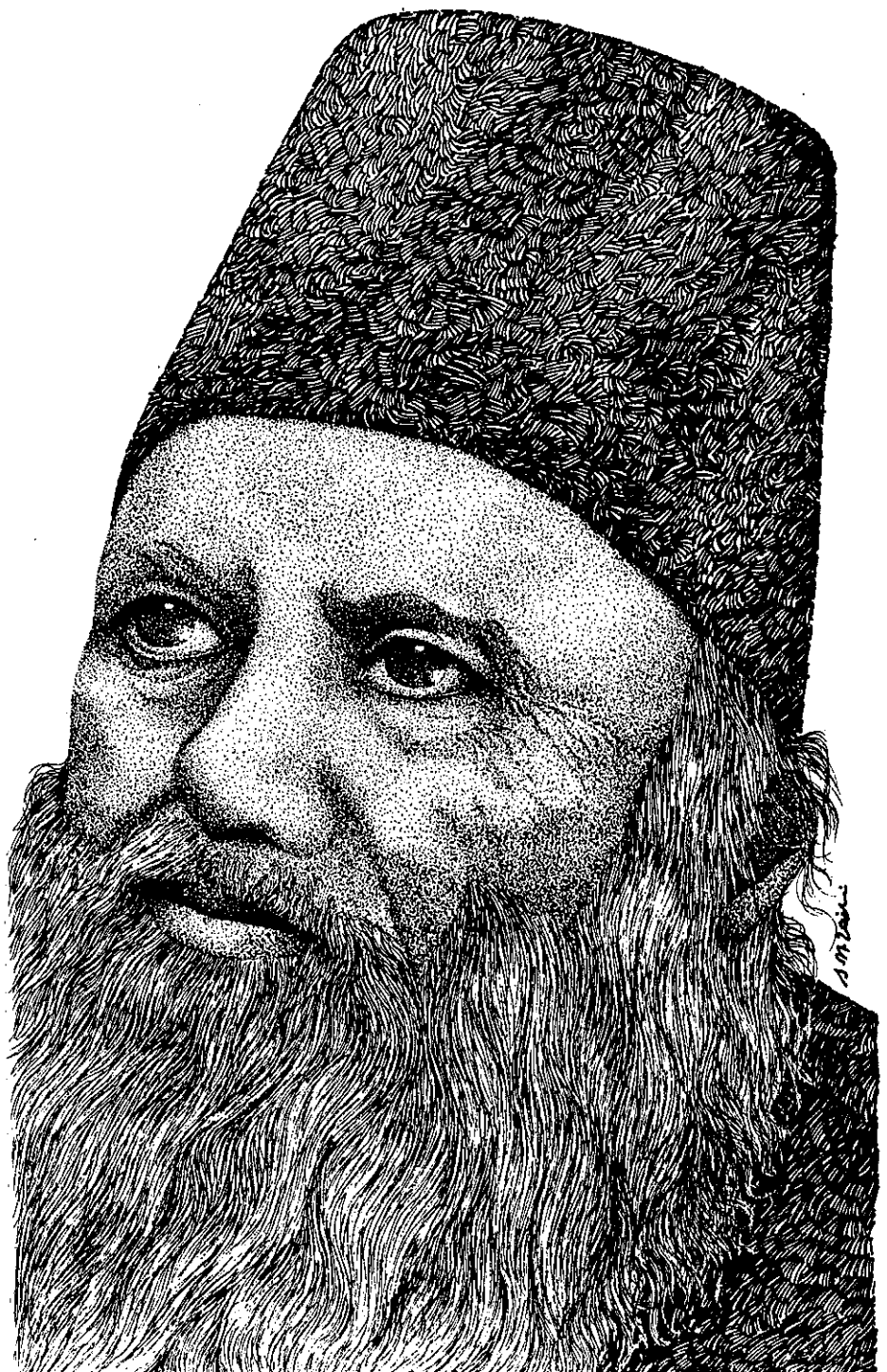

بحث و تکرار

جب کُتّے آپس میں مل کر بیٹھتے ہیں تو پہلے تیوری چڑھا کر ایک دوسرے کو بُری نگاہ سے آنکھیں بدل بدل کر دیکھنا شروع کرتے ہیں، پھر تھوڑی تھوڑی گونجیلی آواز ان کے نتھنوں سے نکلنے لگتی ہے، پھر تھوڑا سا جبڑا کُھلتا ہے اور دانت دکھائی دینے لگتے ہیں اور حلق سے آواز نکلنی شروع ہوتی ہے، پھر باچھیں چر کر کانوں سے جالگتی ہیں اور ناک سمٹ کر ماتھے پر چڑھ جاتی ہے، ڈاڑھوں تک دانت باہر نکل آتے ہیں، منہ سے جھاگ نکل پڑتے ہیں اور "عینف" آواز کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور ایک دوسرے سے چمٹ جاتے ہیں۔ اس کا ہاتھ اس کے گلے میں اور اس کی ٹانگ اس کی کمر میں، اس کا کان اس کے مُنہ میں اور اس کا ٹینٹوا اس کے جبڑے میں، اس نے اس کو کاٹا اور اس نے اس کو پچھاڑ کر بھنبھوڑا، جو کمزور ہوا دُم دبا کر بھاگ نکلا۔

نامُہذّب آدمیوں کی مجلس میں بھی آپس میں اسی طرح تکرار ہوتی ہے۔ پہلے صاحب سلامت کر کر آپس میں مل بیٹھتے ہیں، پھر دھیمی دھیمی بات چیت شروع ہوتی ہے۔ ایک کوئی بات کہتا ہے، دوسرا بولتا ہے واہ یوں نہیں یوں ہے۔ وہ کہتا ہے: "واہ تم کیا جانو۔" وہ بولتا ہے "تم کیا جانو"۔ دونوں کی نگاہ

بدل جاتی ہے، تیوری چڑھ جاتی ہے، رُخ بدل جاتا ہے، آنکھیں ڈراونی ہو جاتی ہیں، باچھیں چرجاتی ہیں، دانت نکل پڑتے ہیں، تھوک اُڑنے لگتا ہے، باچھوں تک کف بھر آتے ہیں، سانس جلدی چلتا ہے، رگیں تن جاتی ہیں، آنکھ، ناک، بھوں، ہاتھ، عجیب عجیب حرکتیں کرنے لگتی ہیں۔ "عینف عینف" آوازیں نکلنے لگتی ہیں، آستین چڑھا، ہاتھ پھیلا، اُس کی گردن اُس کے ہاتھ میں اور اُس کی داڑھی اس کی مٹھی میں، لپاڈوکی ہونے لگتی ہے۔ کسی نے بیچ بچاؤ کر کر چُھڑا دیا تو غُرّاتے ہوئے ایک اِدھر چلا گیا اور ایک اُدھر اور اگر کوئی بیچ بچاؤ کرنے والا نہ ہوا تو کمزور نے پٹ کر کپڑے جھاڑتے سر سہلاتے اپنی راہ لی۔

جس قدر تہذیب میں ترقّی ہوتی ہے اسی قدر اس تکرار میں کمی ہوتی ہے کہیں غُرفش ہو کر رہ جاتی ہے، کہیں توں تکار تک نوبت آجاتی ہے، کہیں آنکھیں بدلنے اور ناک چڑھانے اور جلدی جلدی سانس چلنے ہی پر خیر گزر جاتی ہے، مگر ان سب میں کسی نہ کسی قدر کُتّوں کی مجلس کا اثر پایا جاتا ہے۔ پس انسان کو لازم ہے کہ اپنے دوستوں سے کُتّوں کی طرح بحث و تکرار کرنے سے پرہیز کرے۔

انسانوں میں اختلاف رائے ضرور ہوتا ہے اور اس کے پرکھنے کے لیے بحث و مباحثہ ہی کسوٹی ہے اور اگر سچ پوچھو تو بے مباحثہ اور دل لگی کے آپس میں دوستوں کی مجلس بھی پھیکی ہے، مگر ہمیشہ مباحثہ اور تکرار میں تہذیب و شائستگی، محبّت اور دوستی کو ہاتھ سے دینا نہ چاہیے۔

پس اے میرے عزیز ہم وطنو! جب تم کسی کے برخلاف کوئی بات کہنی چاہو یا کسی کی بات کی تردید کرنے کا ارادہ کرو تو خوش اخلاقی اور تہذیب کو

ہاتھ سے مت دو۔ اگر ایک ہی مجلس میں دو بدو بات چیت کرتے ہو تو اور بھی زیادہ نرمی اختیار کرو۔ چہرہ، لہجہ، آواز، وضع، لفظ اس طرح پر کھو جس سے تہذیب اور شرافت ظاہر ہو، مگر بناوٹ بھی نہ پائی جاوے۔ تردیدی گفتگو کے ساتھ ہمیشہ سادگی سے معذرت کے الفاظ استعمال کرو، مثلاً یہ کہ میری سمجھ میں نہیں آیا یا شاید مجھے دھوکا ہوا یا میں غلط سمجھا، گو بات تو عجیب ہے، مگر آپ کے فرمانے سے باور کرتا ہوں۔ جب دو تین دفعہ بات کا اُلٹ پھیر ہو اور کوئی اپنی رائے کو نہ بدلے تو زیادہ تکرار مت بڑھاؤ۔ یہ کہہ کر کہ میں اس بات کو پھر سوچوں گا، یا اُس پر پھر خیال کروں گا، جھگڑے کو کچھ ہنسی خوشی دوستی کی باتیں کہہ کر ختم کرو۔ دوستی کی باتوں میں اپنے دوست کو یقین دلاؤ کہ اُس دو تین دفعہ کی اُلٹ پھیر سے تمھارے دل میں کچھ کدورت نہیں آئی ہے اور نہ تمھارا مطلب باتوں کی اُس اُلٹ پھیر سے اپنے دوست کو کچھ تکلیف دینے کا تھا، کیونکہ جھگڑا یا شُبہ زیادہ دنوں تک رہنے سے دونوں کی محبّت میں کمی ہو جاتی ہے اور رفتہ رفتہ دوستی ٹوٹ جاتی ہے اور ایسی عزیز چیز، جیسے کہ دوستی ہاتھ سے جاتی رہتی ہے۔

جب کہ تم مجلس میں ہو جہاں مختلف رائے کے آدمی ملے ہوئے ہیں، تو جہاں تک ممکن ہو جھگڑے اور تکرار اور مباحثے کو آنے مت دو، کیونکہ جب تقریر بڑھ جاتی ہے تو دونوں کو ناراض کر دیتی ہے۔ جب دیکھو کہ تقریر لمبی ہوتی جاتی ہے اور تیزی اور زور سے تقریر ہونے لگی ہے تو جس قدر جلد ممکن ہو اُس کو ختم کرو اور آپس میں ہنسی خوشی مذاق کی باتوں سے دل کو ٹھنڈا کر لو۔ میں چاہتا ہوں کہ میرے ہم وطن اس بات پر غور کریں کہ ان کی مجلسوں میں آپس کے مباحثے اور تکرار کا انجام کیا ہوتا ہے۔

معنی اور اشارے

لپاڈوکی = ہاتھا پائی، مار پیٹ

دو بدو = آمنے سامنے

غور کرنے کی بات

سرسیّد کی تحریریں عام طور پر بہت سنجیدہ ہوتی ہیں، وہ ہنسی مذاق کا سہارا بہت کم لیتے ہیں۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ بالکل خشک اور کھُردرے آدمی تھے۔ موقع پڑنے پر وہ مذاقیہ باتیں کرنے اور غلط چیزوں کا مذاق اُڑانے سے گریز نہ کرتے تھے۔ دیکھیے یہاں انھوں نے جاہل اور کم تہذیب یافتہ لوگوں کا کس خوب صورتی سے مذاق اُڑایا ہے۔ "بحث و تکرار" کے شروع میں انھوں نے کُتّوں کی لڑائی، اور پھر جاہل غیر مُہذّب لوگوں کی بحث و تکرار کا خوب صورت نقشہ کھینچا ہے۔ دونوں کی تصویر سامنے آجاتی ہے، لیکن الفاظ کم سے کم استعمال کیے ہیں۔ یہ بھی دیکھیے کہ سرسیّد نے کس خوب صورتی سے بات کا دھارا اپنے مقصد کی طرف موڑا ہے۔ کسی قسم کا جھول یا جھٹکا نہیں، بات میں سے بات نکلتی آتی ہے۔ ایسا مضمون لکھنا بظاہر آسان معلوم ہوتا ہے لیکن یہ بڑی مشکل چیز ہے۔ ایک بات سے دوسری بات اس طرح پیدا کرنا اور پڑھنے والے کے خیالات کو اس آہستگی سے موڑنا کہ پتہ بھی نہ چلے کہ مضمون کہاں سے کہاں پہنچ گیا، مضمون نگاری کا کمال ہے۔

"لپاڈوکی" کو اب "لپاڈگی" بولتے ہیں۔ "دل کو ٹھنڈا کر لو" سرسیّد کا

اپنا بنایا ہوا محاورہ ہے اور بہت خوب ہے۔

بہت سے اسم ایسے ہیں جن کے آخر میں چھوٹی "ہ" لگانے سے مذکّر کا مونّث بن جاتا ہے جیسے "جمیل" سے "جمیلہ"، "والد" سے "والدہ"۔ یہ قاعدہ عربی سے اردو میں آیا ہے اور عام طور پر انھیں الفاظ پر عمل میں آتا ہے جو "جمیل" اور "والد" کی طرح ہیں۔ مثلاً "حمید"، "شاہد"، "شاعر"، "کامل" وغیرہ۔

مشق اور مطالعہ

(1) آپس میں گفتگو کرتے وقت ہمیں کن باتوں کا خیال رکھنا چاہیے؟

(2) مہذّب آدمی کسے کہتے ہیں اور وہ اپنی رائے کے اختلاف کو کسی مجلس میں کس طرح ظاہر کرتا ہے؟

(3) بحث و مباحثہ ایک حد تک کیوں ضروری ہے؟

محمّد حُسین آزاد

(1829 — 1910)

محمّد حسین آزاد دِلّی کے رہنے والے تھے۔ 1857 کے ہنگامے میں انگریزوں نے آزاد کے باپ کو پھانسی چڑھادیا۔ محمّد حسین آزاد اپنا سارا سامان اور خاندان چھوڑ کر برسوں مارے مارے پھرے۔ آخرکار 1864 میں وہ لاہور میں محکمۂ تعلیم میں ملازم ہوگئے۔ یہاں انھیں بعض انگریز افسروں سے ملنے کا موقع ملا جنھوں نے اردو زبان میں نئی طرح کی نظم اور نثر کی بنیاد ڈالنے میں بڑا حصّہ لیا۔ مولانا حالی بھی ان کے شریک ہوئے۔ ایک نئی طرح کے مشاعرے کی بنیاد رکھی گئی جس میں غزلوں کے مصرعۂ طرح کے بجائے نظموں کے عنوان مقرر کیے جاتے تھے۔ انگریزی کتابوں کی طرز پر کتابیں بھی لکھی جانے لگیں۔ ان میں آزاد کی "نیرنگِ خیال" (1880) بہت اہم ہے۔

محمّد حسین آزاد نے 1881 میں "آبِ حیات" نام کی کتاب لکھی۔ اس کتاب میں اردو زبان اور شاعری کی تاریخ مفصّل طور پر اور نئے ڈھنگ سے بیان ہوئی ہے۔ اپنے طرزِ ادا، واقعات کی دلچسپی اور مثالوں کی کثرت کی بنا پر یہ بہت مشہور اور مقبول ہوئی۔ "آبِ حیات" کی طرز پر انھوں نے فارسی زبان و ادب پر بھی ایک کتاب "سخن دانِ پارس" لکھی لیکن یہ "آبِ حیات" کے